سنو کہانی!

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ایک تھا بادشاہ۔ اُس نے ظلم وستم کا نام ونشان مٹانے کی ٹھان لی تھی۔ بلکہ اس نے تو بادشاہی سنبھالی ہی اس وقت تھی جب ظلم اپنی آخری حدوں کو پھلانگ رہا تھا۔ مظلوموں نے اُسے پکارا تھا اور اُس نے اُن کی آواز پر لبیک کہی تھی۔ اس نے اپنے چند نوجوان ساتھیوں کو لے کر نعرۂ مستانہ لگایا تھا پھر ساتھ کی بستیاں بھی اس کو پکارنے لگی تھیں۔ مظلوم کی مدد اور اُسے ظلم سے نجات دلانا تو ازل سے ابد تک اللہ اور اس کے نبیوں کو محبوب رہا ہے چنانچہ وہ آگے بڑھتا رہا اور دشت وجبل اُس کے آگے بچھتے چلے گئے۔ تمام دنیا سے امن کے داعی اُس کی مدد کو حاضر ہوتے گئے اور محض چند افراد کا یہ چھوٹا سا ''فئہ قلیلہ'' بلخ اور فاریاب کے جبل وریگستان سے تا بہ حد خراسان وایران چھا گیا۔ پیوند زدہ لباس اور پھٹے پُرانے جوتوں والے یہ نوجوان حاکم بن گئے اگرچہ حکومت ان کا مقصود نہ تھی۔ امن قائم ہوا، نشہ آور فصلوں کی کاشت ایک حکم پر بند ہوگئی، آپس کے روز کے جھگڑوں اور قتل وقتال کا نام نہ رہا، جو چیز کسی کی گری ڈھونڈنے پر وہیں ملی یا قریبی سرکاری دفتر میں مالک کی منتظر پائی گئی۔ کسی کی فسادی فطرت نے اسے چوری پر اکسایا تو ثبوت منگوائے گئے اور چوری کرنے والے ہاتھوں کا آپریشن کر دیا گیا۔ ناحق قتل کرنے والے کے خلاف شہادتیں ملیں تو اسے سرِ عام علی الاعلان حوالۂ تلوار کر دیا گیا مگر یہ واقعات سال بھر میں ایک دو سے نہ بڑھ پائے اور اس کے برعکس روزانہ فسادات اور روزانہ مردم آزاری ختم ہو کر رہ گئی۔ حتیٰ کہ اگر بلخ سے قندھار تک کوئی جوان خاتون زیوروں سے لدی اپنی ضرورت سے گئی تو اسے کسی کا خوف نہ رہا۔ ہر قریہ اور شہر، ہر نشیب وفراز کے مرد وخواتین ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد، بہن بھائی نظر آئے، اور یہ ساری باتیں عالم آشکار ہوئیں۔

ابلیس نے دربار سجایا، اپنے وزیروں مشیروں سے خصوصی مجلس مشاورت ہوئی۔ دنیا کے اکثر حصوں میں اس کی حکومت تھی۔ اس نے بوزنہ خاندان کو حکم دیا کہ اس چھوٹی سے امن کی حکومت نے مجھے پریشان کر دیا ہے اس کو سبق سکھایا جائے...... چند سال پہلے اس نے اپنے دستِ چپ سُرخ ریچھ سے حملہ کروایا تھا مگر یہاں کے روکھی سوکھی کھانے والوں نے غلیلوں اور ڈنڈوں کے ساتھ اس کی تواضع کی تھی اور اس کا نام مٹا کر کھا دیا تھا۔ ابلیس نے اس زخم زخم بدن سرخ ریچھ کو بھی حکم دیا کہ اگر تم سامنے نہیں آسکتے تو اس بار آلِ بوزنہ کے نسب گم کردہ ڈرپوک لشکر کی پچھلی صفوں میں کھڑے ہو جاؤ۔ ترغیب اور جبر کا ہر حربہ استعمال کر کے کم وبیش چالیس بندر اکٹھے ہوئے۔ پہلے اپنے گھر میں آگ لگائی اور دنیا کے نمبرون بلند وبالا

مرکز سود کو گرا کر اس کا الزام میں مکہ کے مہاجر مجاہد شیخ کی حوالگی کا مطالبہ شاہِ امن سے کر دیا۔شاہِ امن نے ثبوت پیش کرنے پر مقدمہ چلانے اور جرم ثابت ہونے پر سزا دینے کا اعلان کیا مگر ثبوت ہوتا تو پیش کیا جاتا۔

آل بوزنہ کے چالیس ممالک نے سفید ہاتھی کو آگے رکھ کر حملے کا اعلان کر دیا۔مگر حملہ کہاں سے کیا جائے؟ ہزاروں میل دور سے حملہ کرنا ناممکن تھا۔شاہِ امن کی مشرقی سرحدات پر ایک لنگور حکمران تھا۔اسے ہوائی دھمکی دی گئی لنگور شاہ نے سہم کر ساری فضائیں، بحری اور زمینی سہولیات فوراً پیش کر دیں۔اتنا کچھ تو خود سفید ہاتھی کے تصور میں بھی نہ تھا مگر لنگور شاہ کا تعلق آل بوزنہ ہی کی برادری سے تھا لہٰذا یہ ساری آؤ بھگت کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔لنگور شاہ نے بھاگ دوڑ کی اور آل بوزنہ نے ڈنڈا اور توبرا دکھایا۔اس طرح پانچ درجن اُن بادشاہوں کو بھی ساتھ ملا لیا جو شاہِ امن کی طرح محمّدی برادری سے متعلق ہونے کے دعوے دار تھے۔محمدی برادری کے یہ پانچ درجن بادشاہ مظلوم کی مدد نہ کر سکے، ظلم کے خلاف احتجاج تو کرنا درکنار موقعہ بہ موقعہ سفید ہاتھی کے مددگار بنے رہے......مگر شاہِ امن نے شاہی چھوڑ دی کہ میری وجہ سے عام اہلِ ایمان پر ظلم کی رات نہ ٹوٹے۔جس فردِ فرید نے دشت وجبل کو مرکزِ امن بنایا تھا، اسی دشت وجبل نے اسے اپنی گود میں چھپا لیا۔وہ مردِ کہستانی عوام سے دور عوام کے لیے امن اور ایمان کا دعوے دار رہا۔کبھی کبھی اس کی آواز پہاڑوں سے نکل کر میڈیا کے جہازوں میں سفر کرنے لگی۔سفید ہاتھی خود اور اس کے چالیس کالے پیلے بوزنے اپنے معاون ساٹھ جھوٹے محمّدی دعوے داروں سمیت بھاگنے کو ہیں۔کالا لنگور بوزنوں کے دیس میں کبھی کبھی بھبک مارتا ہے۔”میں آ رہا ہوں“

مگر کیا اسے خراسان و پاکستان کے اہلِ ایمان دیکھنا گوارا کریں گے؟ آخری کامیابیاں تو اہلِ تقویٰ ہی کے مقدر میں ہیں۔

أَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ! باطل کی تاریکیاں مِٹ کر کیا صبحِ امن قریب نہیں؟